یادوں کا سفر

سفر نامہ

مہوش حیات

UrduShairi.com

UrduShairi.com

یادوں کا سفر

مہوش حیات

(ایم اے اُردو)

انسان اپنی زندگی میں کئی رنگ دیکھتا ہے۔ خوشی، غم ہر رُت سے وابستہ ہونا پڑتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میری زندگی کے دو سال جو میں نے گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج جوہر آباد میں گزارے، وہ میرا سرمایہ ہیں، تو غلط نہ ہوگا۔ وقت ریت کی مانند ہاتھوں سے سرکتا رہا۔ جس کا اندازہ ہمیں کالج سے جاتے وقت ہوا، وقت کب شروع ہوا اور کب ختم ہو گیا، اس کا فیصلہ کرنا انتہائی کٹھن تھا۔ کہتے ہیں جو شے زندگی میں خوشی بن کر داخل ہوتی ہے وہ اداسی بن کر رخصت ہو جاتی ہے۔ اس کالج میں ہماری رخصتی ہمارے لیے کسی دکھ سے کم نہیں تھی۔ جب اس کالج میں ہم نے قدم رکھا تو ہم اس کے در و دیوار سے آشنا نہ تھے۔ مگر یہاں آ کر ہمیں اتنی اپنائیت اور توجہ ملی کہ یہ سب کچھ چھوڑنا ہمارے لیے کسی امتحان سے کم نہ تھا۔ بقول داغؔ

داغِ وارفتہ کو ہم آج ترے کوچے سے
اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے

شعبہ اُردو کے تمام اساتذہ قابلِ رشک صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ میں خود کو بہت خوش نصیب تصور کرتی ہوں کہ مجھے شفیق اور بے مثال اساتذہ سے کسبِ فیض کا موقع ملا۔

کالج میں ہم نے ہر دن ایسے گزارا کہ جیسے خدا نے ہمیں زندہ رہنے کے لیے صرف ایک ہی دن دیا ہو۔ اس کے بعد جیسے ہماری زندگی کا چراغ گل ہو جائے گا۔ انہی یادگار دنوں میں میرا یادگار دن اسلام آباد کا ٹور تھا۔ ٹور پر جانے کی تیاریاں بہت پہلے سے چل رہی تھیں اور دن بدن ہمارا جوش بامِ عروج کو چھو رہا تھا۔ اگر احساس کی پیمائش کرنے والا کوئی آلہ ہوتا اور ہمارے احساسات ماپے جاتے تو وہ آلہ بھی کارآمد ثابت نہ ہو سکتا۔ بہر حال دس تاریخ بروز

UrduShairi.com

بدھ رات آٹھ بج کر سات منٹ پر مجھے میسج موصول ہوا کہ کل ٹرپ جا رہا ہے تو ہماری خوشی بیان سے باہر تھی۔ ویسے تو فیملی کے ساتھ میں کافی جگہوں پر جا چکی ہوں مگر جو لطف اساتذہ اور ہم جماعتوں کے ساتھ آیا اس کی کیفیت ہی الگ ہے۔ اگلے دن صبح ہم طے شدہ وقت پر کالج پہنچ گئے دو شاندار گاڑیاں ہماری منتظر تھیں اور ہم نے ہلہ گلہ کرتے ہوئے سفر کا آغاز کیا۔ ہمارا پہلا پڑاؤ چکری تھا جہاں ہم نے دو چار چکر لگائے اور دوبارہ سفر کا آغاز کر دیا۔ ڈھیروں گانے گائے، اگر کوئی سُر تال کی پہچان رکھنے والا ہماری گاڑی میں ہوتا تو شاید چھلانگ لگا دیتا۔ سب بے خبر ہو کر اپنے حال میں مست تھے۔ کم و بیش 12 بجے ہم اسلام آباد پہنچ گئے۔ اسلام آباد اپنی فطری خوبصورتی اور دلکش تعمیرات کی بدولت انتہائی منفرد شہر ہے۔ ہماری گاڑی دامنِ کوہ سے ہوتی ہوئی منال پہنچ گئی۔ منال گیارہ سو اکیاسی میٹر بلندی پر واقع ہے ،دامنِ کوہ سے منال پہنچنے میں ہمیں تقریباً پینتالیس منٹ لگے۔ یوں لگ رہا تھا کہ ہم کسی اور ہی دُنیا میں آ گئے ہیں۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ بندروں نے بھی ہمارا استقبال کیا۔ وہاں کچھ جیولری سٹال بھی تھے سب لڑکیاں وہاں جمع ہو گئیں کچھ نے خریداری کی لیکن زیادہ تر نے ونڈو شاپنگ پر گزارا کیا۔ منال سے اسلام آباد کا نظارہ انتہائی پُر لطف اور پُر کیف تھا، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے چاروں طرف دھنک بکھری ہوئی ہو۔ معصوم فرشتوں کی طرح مسکراتے پھول اور معطر فضا میری یادوں کے خزانے میں سب سے انمول اور خوبصورت اضافہ ہے۔ گھومتے پھرتے پیاس کا احساس ہوا تو ہم پانی لینے کے لیے ریسٹورینٹ کے کاؤنٹر پر پہنچے۔ وہاں پانی کی ایک بوتل 160 روپے کی ملی۔ ہم نے ایک دوسرے حیران کن اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ثابت یہ ہوا کہ انسان جتنی بلندی پر ہو گا، وہاں پانی کی قیمت اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ ہم نے بڑی کفایت شعاری سے اپنے اپنے گلے تر کیے۔ ریسٹورینٹ دیکھ کر ہم انگشت بہ دنداں رہ گئے ،یہ ریسٹورینٹ درختوں کے تنوں سے بنایا گیا تھا۔ پانی خرید کر پینے کے بعد ہمیں وہاں سے کچھ کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

منال سے ڈھیروں یادوں کو سمیٹتے ہم دامنِ کوہ پہنچے۔ یہ جگہ بھی اپنی خوبصورتی کے حوالے سے لاجواب ہے۔ سرسبز پہاڑوں اور درختوں کی وجہ سے دھوپ خاصی خوشگوار تھی۔ پیاس بہت کم لگی۔ ہم چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں سے پورے اسلام آباد کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ یہاں کچھ دیر گزارنے کے بعد کوچ کا نقارہ بجا۔ نہ چاہتے

ہوئے بھی ہمیں گاڑی میں سوار ہونا پڑا۔ اب سب کے چہروں پر بھوک کے اثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ لہٰذا ہم سیدھے ریسٹورینٹ پہنچے جو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پورا اسلام آباد یہاں اُمڈ آیا ہو۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہماری اگلی منزل فیصل مسجد تھی۔ اس مسجد میں ایک لاکھ نمازی جبکہ دالانوں اور سبزہ زاروں میں مزید دو لاکھ نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اسے جنوبی ایشیا کی سب سے بڑی مسجد کا اعزاز حاصل ہے۔ مسجد میں روحانیت کا احساس ہوا، کافی دیر وہاں بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں منہمک رہے۔ یہ مسجد بلاشبہ فنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔ کافی دیر کے بعد ہم بوجھل قدموں کے ساتھ واپس روانہ ہوئے۔ دھیرے دھیرے اندھیرا چھانے لگا۔ گاڑی سے باہر دیکھتے تو رات کا خنک سناٹا اور سانس لیتی ہوئی خاموشی نے گفتگو شروع کر دی۔ گاڑی میں سب سے بے خبر دیر تک میں اس خاموشی کے مزے لیتی رہی۔ گاڑی میں ہلہ گلہ جاری تھا اور تھکاوٹ کے باوجود سب لوگ اپنے اپنے راگ الاپ رہے تھے۔ ہمارے اساتذہ فکر مند نظر آ رہے تھے کہ یہ پہاڑی سفر خیر خیریت سے طے کر کے ہم تمام طلبہ و طالبات کو ان کے گھروں تک پہنچائیں۔ رات ساڑھے گیارہ بجے ہماری گاڑی جوہر آباد پہنچ گئی۔

شعبہ اُردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج کی یادیں میری زندگی کا گراں قدر اثاثہ ہیں۔ مشکل تو یہ ہے کہ ان کو بھولنا میرے بس کی بات نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں انہیں بھلانا ہی نہیں چاہوں گی۔ موسم گزر جاتے ہیں مگر یاد نہیں گزرتی۔ پرانی یادیں نئی زندگی کے ساتھ چلتی ہیں۔ پرانے چہرے نئے چہروں میں نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ میں جب شعبہ اُردو میں گزارے ہوئے دو سالوں کو یاد کرتی ہوں تو میرے چہرے پر ایک روحانی کیفیت مترشح ہو جاتی ہے۔ اس خوبصورت شعر کے ساتھ آپ سے اجازت چاہوں گی۔

کون سی آنکھیں ہیں جو غم سے یہاں روتی نہیں
جانے والے کی مگر رفتار کم ہوتی نہیں

❖❖❖❖❖

UrduShairi.com